قرآن کریم اور بین الاقوامی تعلقات

زبیر عالم اصلاحی

ملکی اور بین الاقوامی سرحدوں کی حد بندیاں مضبوط سے مضبوط تر ہونے کے باوجود جدید ذرائع ابلاغ، وسائل نقل وحمل، سائنس، ٹکنالوجی اور انفارمیشن ٹکنالوجی کی ترقی اور پھیلاؤ نے قوموں اور ملکوں کے زمانی اور مکانی فاصلوں کو کم سے کم کر دیا ہے۔ اقوام عالم کے درمیان رابطہ کی راہوں کو مختصر اور واقفیت کی شکلوں کو آسان تر بنا دیا ہے۔ واقعات وحوادث کی خبریں چشم زدن میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں دنیا اب ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان سہولتوں اور قربتوں کے باوجود انسانی دلوں کی دوریاں کم نہیں ہوئی ہیں۔ اہل مذاہب کے مابین اختلاف ومنافرت کی فضا کو بڑھانے اور مخاصمت کے رنگ کو گہرا کرنے میں میڈیا نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے جسموں کو قریب ضرور کیا ہے مگر دلوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔ اس سے سب سے زیادہ نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہونچا ہے۔ تاہم خوشی کی بات یہ ہے کہ اس صورت حال نے ایسے لوگوں کی دنیا میں ایک بڑی تعداد پیدا کر دی ہے جو اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ جس مذہب کو میڈیا دہشت گرد قرار دے رہا ہے اس کے واقعی خط وخال کیا ہیں۔ ایسی صورت میں ضرورت ہے کہ میڈیا سے رابطہ مضبوط کیا جائے اور موجودہ بین الاقوامی تعلقات جن کی بنیاد کسی بلند وپائیدار تصور حیات اور بے غرض اخلاقی اقدار کے بجائے، محض قومی اور ذاتی مفاد، وطنی برتری، نسلی عصبیت اور مادی فائدوں پر مبنی ہے اس سے کہ ہٹ کر خالص کتاب وسنت کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات کی راہیں ہموار کی جائیں تا کہ اسلام کا صحیح تعارف کرایا جا سکے۔ زیر نظر مضمون میں بین الاقوامی تعلقات کے قرآنی

اصول کا ایک طالب علمانہ جائزہ لینے کی کوشش کی گئی۔اس موضوع پر گفتگو کو درج ذیل نکات پر محدود رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

۱- بین الاقوامی تعلقات کے اصول

۲- بین الاقوامی تعلقات کی موجودہ صورت حال

۳- بین الاقوامی تعلقات کی ضرورت

۴- بین الاقوامی تعلقات کا قرآنی تصور

۵- بین الاقوامی تعلقات کے قرآنی اصول

۶- بین الاقوامی تعلقات کے حدود

۱- بین الاقوامی تعلقات کے اصول

بین الاقوامی تعلقات کے اصول سے مراد وہ اصول وتصورات ہیں جو انسانی سوچ ،فکر اور طرز عمل میں تنگ نظری کے بجائے وسیع النظری اور محدودیت کے بجائے آفاقیت پیدا کرنے والے ہوں۔مختلف گروہوں اور طبقات میں تقسیم کرنے والے جذبات واحساسات کے بجائے پوری دنیائے انسانیت کے درمیان باہمی تعاون وتعامل، رافت ومحبت، امن وسلامتی، ہمدردی اور بہی خواہی کے جذبات ابھارتے ہوں، وطنی، قومی ،نسلی اور طبقاتی خواہشات ومفادات سے اوپر اٹھ کر تمام بنی نوع انسان کو ایک اکائی تصور کرنے اور ان کے مسائل کو خواہ وہ جنگ کے زمانہ کے ہوں یا امن کے زمانہ کے،خواہ یہ مسائل ماورائے طبعیات ہوں یا طبعیاتی اور ارضی ہوں یا امن عالم سے تعلق رکھتے ہوں، کچھ ایسے قوانین وضوابط اور اصول بنائے جائیں جن کی بنیاد کسی فرد، جماعت اور کسی خاص طبقہ کے بجائے مفادِ عامّہ پر رکھی گئی ہو اور پھر اسی کے ساتھ تمام طبقوں اور گروہوں کی مراعات اور واجبات کے درمیان عادلانہ تقسیم اور محنت ومعاوضہ کے درمیان صحیح توازن قائم کیا گیا ہو۔نیز اسی کے ساتھ اخلاقی وقانونی ضمانتیں دی جائیں تاکہ اگر ان کو اپنا پاجائے تو اختلاف عقیدہ ومسلک کے باوجود ان کے ذریعہ انسانی حقوق کی حفاظت ہوسکے اور بین الاقوامی تعلقات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جاسکے۔

۲-موجودہ بین الاقوامی تعلقات

عصر حاضر کے بین الاقوامی تعلقات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تعلقات کسی بلند و پائیدار تصور حیات اور بے غرض اخلاقی اقدار کے بجائے محض جعلی سیاست، لادینیت، حواس وعقل کی غیر مشروط اطاعت اور حصول مسرت اور نفع عاجل پر قائم ہیں۔اس لیے کہ اس میں وقت کے تقاضے اور وطنی، قومی، نسلی عصبیت اور مفادات کے مطابق حقائق اور معیار بدل جاتے ہیں۔اسی لیے نہ کوئی دیرپا امن قائم ہو پاتا ہے اور نہ چھوٹی بڑی طاقتوں کے حقوق کی یکساں ومساویانہ حفاظت ہی ہو پاتی ہے۔

انجمن اقوام (۱۹۲۰) کی ناکامی اور اس کے اسباب سے خاص وعام سب واقف ہیں۔ جہاں تک اقوام متحدہ (۱۹۴۵) کی بات ہے یہ بھی اخلاقی اقدار روایات سے بالکل خالی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ نے اقوام متحدہ کو عملی طور پر غمال بنالیا ہے۔اقوام متحدہ کی ایک بنیادی کمزوری یہ ہے کہ پانچ بڑی طاقتوں کو مستقل طور پر ویٹو پاور دے دیا گیا جس کی وجہ سے کسی ملک کے بڑے سے بڑے بین الاقوامی جرم کے خلاف اقدام تو بڑی بات ہے مذمت کی قرارداد بھی منظور نہیں ہو پاتی۔ چنانچہ اسرائیل جس کا وجود ہی ناجائز طریقہ سے ہوا وہ اپنے آغازِ قیام سے آج تک جتنی انسانیت سوز حرکتیں کر چکا ہے یا کر رہا ہے اس پر ساری دنیا چیختی رہی ہے مگر امریکہ کا ویٹو اس کے خلاف کسی اقدام کے راستہ میں ہمیشہ رکاوٹ پیدا کرتا رہا ہے اسی طرح ویتنام، ہیروشیما، ناگاساکی، جنوبی افریقہ، افغانستان، کوریا، عراق، لبنان وغیرہ کے معاملات میں جو کچھ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں۔

۳- بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کی ضرورت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ صورت حال میں بین الاقوامی تعلقات پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ مغرب اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔اس صورت حال میں ہمیں صلح حدیبیہ کے واقعہ سے رہنمائی ملتی ہے۔صلح حدیبیہ جن احوال میں پیش آئی اس سے اہل

علم اچھی طرح واقف ہیں۔ قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کررہے تھے اوران کے ساتھ محاذ آرائی جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس بناپر بہ ظاہر قریش کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کا امکان نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کی۔ اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سلسلہ میں ہمیں واضح ہدایات ملتی ہیں کہ قرآن نے قریش کی قیادت کو مطعون کرنے اوران کو عذاب الٰہی کا مستحق قرار دینے کے باوجود کسی مرحلہ پر ان کے عوام کی اصلاح کی مہلت ختم کرنے کا اعلان نہیں کیا۔ حتیٰ کہ سورہ انفال میں غزوہ بدر پر تبصرہ کرنے کے بعد جہاں قریش کے خلاف نہایت تندوتیز زبان استعمال کی گئی ہے وہیں ان کی اصلاح کے لیے مزید وقت بھی دیا گیا ہے اوراس ضمن میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ:

وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (انفال/٦١)

اور اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لیے جھک جائیو اور اللہ پر بھروسہ رکھیو۔

اس صلح سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دعوت واصلاح کی راہ ہموار ہوگئی، اس وقت مکہ میں خاصی تعداد میں ایسے لوگ تھے جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ لیکن بعض مصالح کی بنا پر اسلام کا اظہار نہیں کررہے تھے۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اسلام سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ علامہ شبلی کے بقول ''تاریخ اسلام کا یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ ہے''۔[1] اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس معاہدے کو جو بظاہر ایک مغلوبانہ معاہدۂ صلح نظر آتا ہے، فتح مبین کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (سورۃ الفتح: ۱) چنانچہ پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر قرآن وسنت کے مستحکم اور پائیدار اصول پر بین الاقوامی تعلقات قائم کیے جائیں تو آج بھی وہ فوائد اور برکات حاصل ہو سکتے ہیں، قرآن مجید صاف صاف اعلان کرتا ہے۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (الممتحنۃ:۷)

توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا کردے جس سے تم نے اب تک دشمنی کی ہے۔ اللہ (ہر چیز پر) قدرت رکھتا ہے اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کے قرآنی تصورات

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی خاص جغرافیائی علاقے میں محدود نہیں ہے۔ وہ ہمہ گیر ہے، دنیا کے تمام افراد کے لیے ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ یہی وہ واحد دین ہے جو قافلۂ انسانیت کو ارتقاء کی اعلیٰ ترین منزلوں تک پہونچاتا ہے۔ زندگی کا واحد امن وسلامتی کا راستہ ہے، جس کی بنیاد غیر محدود الٰہی علم اور خالق کون ومکان کے حکمت آمیز منصوبہ سازی نیز اعلیٰ اخلاقی اقدار پر مبنی ہے، اسی کے ساتھ تمام انسانوں کو ایک رشتۂ مودت میں پروتا ہے خواہ وہ کسی ملک، نسل اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس کے دیے گئے عقائد وعبادات، نظامِ اخلاق، نظام معیشت، نظام سیاست ومعاشرت اور معاملات سب کا مزاج بین الاقوامی و آفاقی ہے۔ مثلاً دین اسلام کی عمارت تین ستونوں پر قائم ہے: توحید، رسالت، اور معاد۔

توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات اور کائنات کی ساری چیزوں کا خالق، مالک، رازق اور حاکم ہے۔ نظام کائنات کو وجود میں لانے اور اس کو چلانے میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ قرآنی تعلیمات کی اساس، محور ومرکز اور روح یہی ہے کہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکالا جائے اور خدائے واحد لاشریک کے آستانے سے جوڑ کر 'وما کان الناس الا امة واحدة" (یونس: ۱۹) کی شکل میں دوبارہ پیش کیا جائے۔

رسالت یہ ہے کہ توحید کی دعوت دینے اور انسانوں کو شرک وبت پرستی کی آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے ہر دور میں اللہ کے برگزیدہ بندے آتے رہے۔ سب سے اخیر میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آفاقی اور بین الاقوامی پیغام لے کر آئے۔ آپؐ کسی

ایک قبیلہ، گروہ، فرقہ یا کسی خاص جغرافیائی علاقے کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَنَذِيْراً (سورۃ سبا/۲۸)	ہم نے تو تم کو سب لوگوں کے واسطے بس بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔
قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (سورہ اعراف/۱۵۸)	کہہ دو! اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (سورہ الانبیاء/۱۰۷)	اور ہم نے تم کو تو بس اہل عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عقیدہ معاد یہ ہے کہ قرآن کریم اور اسلامی عقیدہ کی رو سے انسان کی اصل زندگی دنیا کی زندگی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی ہے، وہ دنیا میں ایک متعینہ مدت گذار کر لقمۂ اجل بن جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں پہنچ جاتا ہے جہاں اس سے موجودہ دنیا میں گذارے ہوئے ایام کے پل پل کا حساب لیا جائے گا اور اس دنیا میں حاصل شدہ نعمتوں کے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور پھر اس کے عمل کے مطابق نہایت عادلانہ اور منصفانہ طور پر وہ جزا وسزا پائے گا، یہ تصور بھی عالمی آفاقی امن اور بین الاقوامی تعلقات کا تصور پیش کرتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کے قرآنی اصول

جب ہم بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے ہیں تو حسب ذیل اصول واضح اور روشن طریقے سے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اگر اخلاص نیت اور دیانت داری کے ساتھ ان اصولوں پر عمل کیا جائے تو انشاء اللہ عالمی معاشرہ امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے گا اور بین الاقوامی مذاہب کے مابین نہایت خوشگوار روابط پیدا ہو جائیں گے۔

انسانی اخوت کی بنیاد خونی رشتہ

تمام انسانوں کا خالق ایک ہے۔ ان کی تخلیق ایک ہی طریقے سے ہوئی ہے، وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے درمیان آپسی بھائی چارہ کی بنیاد خونی رشتہ پر ہے۔

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ انسان جس طرح ایک خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح ان میں ایک ماں باپ کا خون رواں دواں ہے۔ اس لیے عربی، عجمی، کالے، گورے، مالدار اور غریب ہونے کی مختلف کیفیات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس طرح ایک ماں باپ کے بیٹے اختلاف سیرت و صورت کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے خوشی وغم میں شریک ہوتے ہیں، اسی طرح دنیا کے تمام انسانوں کو فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی ایسا ہی بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو بار بار ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش کی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء (سورۃ النساء/۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے اشرف وہ ہے جو تم میں سب سے پرہیزگار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کونوا عبادا اللہ اخوانا [۲] — بھائی بھائی بن کر اللہ کے بندے ہو جاؤ

عقیدہ اور مذہب کی آزادی

ہر قوم اور مذہب کے ماننے والوں کے لیے اپنی روایات، رسوم، عقائد اور مذاہب و

مسالک کے مطابق عمل کرنے کی کلی آزادی ہے۔ وہ اپنے مذہب ومسلک کے مطابق عبادات و نکاح وطلاق، موت وحیات اور دیگر شخصی وعائلی مسائل حل کر سکتے ہیں۔ نیز مذہبی مسائل حل کرنے کے لیے الگ عدالتیں بھی قائم کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کی رو سے دنیا میں کسی کو کوئی نظریہ یا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جس کا صاف صاف اعلان قرآن مجید نے کیا ہے۔ ارشاد ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورۃ البقرہ/۲۵۶)

دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔ (جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا جی نہ چاہے قبول نہ کرے)

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے مسلمانوں کو ان الفاظ میں متنبہ کیا ہے:

وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِيْ الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِيْنَ (سورۃ یونس/۹۹)

اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ ہیں سب ایمان قبول کرتے، کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں؟

البتہ دلائل وبراہین کی روشنی میں دعوت فکر ضرور دی جائے گی، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (سورۃ النحل/۱۲۵)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اسی طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔

مذاہب کا احترام

بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں قرآن کریم کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب پر طعن وتشنیع سے نہ صرف کلی طور پر اجتناب کیا جائے بلکہ ان کے وجود کا کھلے دل سے تسلیم کیا جائے۔ ابتدا میں تمام لوگ ایک ہی امت کے افراد تھے بعد میں ان کے درمیان اختلافات رونما ہوئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُواْ (یونس:۱۹)

اور لوگ تو ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا۔

قرآن مجید دیگر مذاہب کے اعتراف کرنے کا شعور ان الفاظ میں عطا کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سورۃ الحج ۱۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے یہودیت اختیار کی اور صائبین، نصاریٰ مجوس اور جنہوں نے شرک کیا۔ بے شک اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

مذہبی پیشواؤں اور مقدسات کا احترام

قرآن مجید غیر مسلموں کے معبودوں، پیشواؤں معزز اور برگزیدہ شخصیات کو برا بھلا کہنے اور ان کے مقامات مقدسہ کو نقصان پہونچانے سے سختی کے ساتھ روکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (سورۃ الانعام/۱۰۸)

اور اللہ کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دیجیو کہ وہ تجاوز کر کے بے خبرانہ، اللہ کو گالیاں دینے لگیں اور اسی طرح ہم نے ہر گروہ کی نگاہ میں اس کا عمل کھبا رکھا ہے۔

اس کی تعلیم یہ ہے کہ مذہبی شخصیات اور پیشواؤں کا پورا احترام کیا جائے اور ان کی شان میں بدتہذیبی اور گستاخی سے بچا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا کہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ انسان کا جنازہ نہیں ہے"۔[۳]

مشترک بنیادوں کی تلاش

بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں ایک اہم اصول مشترک بنیادوں کی تلاش ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان جو باتیں اور امور مشترک ہیں ان کی بنیاد پر

اشتراک عمل کو فروغ دیا جائے۔ قرآن سامی مذاہب کے حاملین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ

(سورۃ آل عمران:۶۴)

کہہ دو! اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔

بھلائی اور نیکی کے کاموں میں تعاون

بھلائی اور نیکی کے کاموں میں مذہب، گروہ، قومیت اور وطنیت کے درمیان امتیاز کیے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ کھلے دل ودماغ سے بھرپور تعاون کیا جائے اور معصیت، عدوان اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کیا جائے قرآن ہمیں اس کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے۔

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(سورۃ المائدہ/۲)

اور تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، گناہ اور تعدی میں تعاون نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اجتماعی زندگی میں فتنہ وفساد کے سد باب کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو اس کی اصلاح اور تدارک کی ذمہ داری سونپی ہے۔ فرمایا گیا:

وَاتَّقُواْ فِتْنَةً لاَّ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمْ خَآصَّةً (سورۃ الانفال:۲۵)

اور بچتے رہو اس فتنہ سے جو مخصوص طور پر انہی لوگوں کو نہیں لاحق ہوگا جنہوں نے تم میں سے جرم کا ارتکاب کیا ہوگا۔

باہمی مفاہمت کی تلاش

مذہبی تصادم کی راہ چھوڑ کر افہام وتفہیم کی راہ اختیار کی جائے۔ تنازعات کی جگہ مذاکرات اور لعن طعن کی جگہ الفت ومحبت کا طریقہ اپنایا کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (سورۃ عنکبوت/۴۶)

اور اہل کتاب سے نہ بحث کرو مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے۔

ارشاد ہے:

ادْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (سورۃ النحل/۱۲۵)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اسی طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔

حکمت سے مراد دلائل و براہین ہیں اور اچھی نصیحت سے مراد مشفقانہ انداز سے تذکیر و تنبیہ ہے۔ دعوت دین میں یہی دونوں چیزیں بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہیں، یہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو بھی سکھایا تھا۔

اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى. فَقُوْلَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طٰہٰ/۴۳-۴۴)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے، پھر اس سے (جاکر) نرمی سے باتیں کرو تاکہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔

امن وامان کا ماحول قائم کرنا

امن وامان کی فضا ہموار کی جائے اور فساد فی الارض سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے یہ اسلام میں امن وسلامتی کا بنیادی تصور ہے۔ اسلام کے معنی ہی امن وسلامتی کے ہیں۔ یہ تصور اس کے مزاج سے گہری وابستگی رکھتا ہے اور اسلام کا پورا نظام حیات، اس کے قوانین وضوابط اور اس کے اوامر ونواہی سب اسی تصور کے ساتھ منسلک ہیں۔ قرآن کریم امن کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحها (سورۃ اعراف/۸۵)

زمین میں امن قائم ہونے کے بعد اس میں فساد نہ مچاؤ۔

جان ومال عزت وناموس کی حفاظت

انسان کی جان محترم ہے اور اسے ناحق زندگی سے محروم کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ ایک

انسان کا قتل ساری انسانیت کے قتل کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَن قَتَلَ نَفساً بِغَيرِ نَفسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحيَا النَّاسَ جَمِيعاً (سورۃ المائدہ/۳۲)

جس نے کسی انسان کو مار ڈالا گویا اس نے سارے انسانوں کو مار ڈالا سوائے اس کے کہ مقتول نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو اور جس نے کسی ایک نفس کی حفاظت کی تو اس نے ساری انسانیت کی حفاظت کی۔

ظلم وزیادتی کا خاتمہ

اسلام امن کو پسند کرتا ہے اور کسی صورت میں فساد کو پنپتے نہیں دیکھ سکتا۔ امن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی طاقت ہو جو ان لوگوں کا ہاتھ روک سکے جو معاشرے میں بدامنی پھیلانے کے درپے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اسلام مظلوموں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ وہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ ظالموں اور فساد پھیلانے والوں کے خلاف متحد ہو جائیں اور انہیں بزور طاقت ان حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ ظلم وجبر کے خلاف اسی کوشش اور جدوجہد کا نام جہاد ہے۔ قرآن کے الفاظ میں:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ . الَّذِيْنَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً (سورۃ الحج/۳۹-۴۰)

جن سے جنگ کی جائے ان کو جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے بوجہ اس کے کہ ان پر ظلم ہوا، اور بے شک اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے۔ جو مظلوم اپنے گھروں سے بے قصور، محض اس جرم پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ کرتا رہتا تو تمام خانقاہیں، گرجے، اور کنیسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ ڈھائے جاچکے ہوتے۔

ظلم سے روکنے اور فساد کو ختم کرنے کے لیے قرآن اپنے ماننے والوں کو ظالموں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا ہے۔

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ (سورۃ الانفال/٦٠)

اور جس قدر ممکن ہو سکے ان سے مقابلہ کے لیے قوت پیدا کرو اور گھوڑے تیار کرو جس سے کہ اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر رعب پڑے اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی۔

رواداری اور حسن سلوک

رواداری برداشت اور تحمل کی قوت پیدا کی جائے اور اشتعال کے جواب میں اعتدال سے کام لیا جائے۔ درشت مزاجی، اور تلخ کلامی مناسب نہیں، آپسی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لیے دوسروں سے زیادہ سے زیادہ شائستگی کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حٰم سجدہ/۳۴)

نیکی اور برائی یکساں نہیں ہیں، تم برائی اس نیکی سے دفع کرو جو بہتر ہو، پھر تم دیکھو گے کہ وہ شخص جس سے تمہاری دشمنی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيراً وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ. (سورۃ آل عمران/١٨٦)

تمہارے مال اور تمہاری جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تمہیں ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا، بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی، اور تم ثابت قدم رہے اور تم نے تقویٰ کو ملحوظ رکھا تو بے شک یہ چیزیں عزیمت کے احوال میں سے ہے۔

عدل وانصاف کا قیام

بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں قرآن مجید کا ایک اہم اصول ، عدل و انصاف کا قیام ہے۔اسلام میں عدل کو وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے۔معاشرے کو اپنی اصلی حالت میں قائم رہنے کے لیے عدل کا قیام ضروری ہے۔عدل کا انطباق زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے بقول مولانا امین احسن اصلاحی : ''تمام قرآنی اوامر کی بنیاد عدل ، احسان اور ذوی القربیٰ کے لیے انفاق پر ہے...عدل یہ ہے کہ جس کا جو حق واجب ہم پر عائد ہوتا ہے ہم بے کم وکاست اس کو ادا کریں خواہ صاحب حق کم زور ہو یا طاقت ور ، خواہ ہم کو مبغوض ہو یا محبوب''۔

۔جس طرح اس کرۂ ارض بلکہ پوری کائنات میں مکمل اعتدال اور توازن پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر یہ دنیا قائم ہے، اسی طرح اسلام قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدل کے ذریعہ امن قائم کرنا چاہتا ہے، اس لیے وہ اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ دنیا میں عدل قائم کرو بلکہ اس کے علمبردار بنو، خواہ اس کی زد تمہاری اپنی ذات پر پڑے، تمہارے والدین پر پڑے، تمہارے اعزاواقربا پر پڑے، خواہ اس کی زد میں امیر آتا ہو یا غریب ، ہر حال میں تقاضائے عدل پورا کرو۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقَيراً فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً (سورۃ النساء/۱۳۵)

اے ایمان والو احق پر جمے رہو اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے اگر چہ یہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین تمہارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے، کوئی امیر ہو یا غریب اللہ دونوں ہی کا سب سے زیادہ حقدار ہے، تو تم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ اگر کجی کرو گے یا اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر عدل وانصاف کو قرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (سورۃ المائدہ/۸)	اے ایمان والو عدل کے علمبردار بنو اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔
وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (النساء/۵۸)	اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔

مساوی سلوک

موجودہ بین الاقوامی تعلقات کی ناکامی کی ایک بنیادی وجہ عدل وانصاف اور مساوات کا فقدان ہے جب ہم اسلام میں موجود معاشرتی زندگی کی اعلیٰ قدروں کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اعلیٰ اقدار کن بنیادوں پر قائم ہیں تو ہمیں بنیادی چیز مساوات نظر آتی ہے جو بڑھ کر الفت ومحبت اور مزید ارتقاء کے نتیجہ میں ایثار وقربانی سے بدل جاتی ہے۔قرآن مجید ایک ہمہ گیر مساوات کے حصول کے لیے انسانی وحدت کا تصور پیش کرتا ہے اور پوری قوت کے ساتھ یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ان میں رنگ ونسل زبان اور قوم کے جو اختلافات ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔اللہ کے نزدیک عزت وشرف کا مستحق صرف وہی ہے جو خدا ترسی اور للّٰہیت میں اعلیٰ مقام رکھتا ہو اور اگر کوئی کسی پر زیادتی کرے گا تو اس کی زیادتی کے بقدر اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (سورۃ البقرہ/۱۹۴)	شہر حرام، شہر حرام کا بدلہ ہے۔ اور اسی طرح دوسری محترم چیزوں کا بھی قصاص ہے، تو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی ان کی زیادتی کے جواب میں اسی کے برابر ان کو جواب دو اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقین رکھو کہ اللہ حدود الٰہی کے احترام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بین الاقوامی معاہدوں کا احترام

بین الاقوامی تعلقات کے قرآنی اصول میں ایک اہم اصول بین الاقوامی معاہدوں کا احترام ہے، قرآن کریم میں عہد و میثاق کی بڑی اہمیت ہے۔قرآن کریم نے معاہدات کی پابندی اخلاقی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے ضروری قرار دی ہے۔ یہ دونوں نکتے اسلامی طرز فکر میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ معاہدہ کرنے کے بعد اسے پورا کرنا لازم ہے اور اس سلسلہ میں روز قیامت سوال کیا جائے گا۔اس کے متعلق قرآن مجید میں واضح ہدایات موجود ہیں۔قرآن کریم بار بار ایفائے عہد کی تاکید کرتا ہے:

وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً (سورۃ بنی اسرائیل/۳۴)

عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ. إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِيلاً أُوْلَـئِكَ لاَ خَلاَقَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّهُ وَلاَ يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (آل عمران:۷۶-۷۷)

ہاں جولوگ اس کے عہد کو پورا کریں گے اور اللہ سے ڈریں گے تو بیشک اللہ اپنے ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، جولوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو حقیر قیمت کے عوض بیچتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اگر کوئی مسلم ملک دوسرے مسلم ملک سے دین کے معاملے میں مدد چاہے تو اس کی مدد کی جائے گی لیکن اگر وہ اس ملک کے خلاف مدد چاہے جس سے مسلمانوں کا یا مسلم ملک کا معاہدہ ہو تو اس کی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ (سورۃ الانفال/۷۲)

اور اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم پر مدد واجب ہے الا آں کہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔

یہاں تک کہ اگر دشمن بھی ان لوگوں سے مل جائیں جن سے مسلمانوں کو معاہدہ ہے تو ان سے بھی جنگ نہ کی جائے گی:

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ (سورۃ النساء/۹۰)

صرف وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا دین لمن لا عھد له [۴]

جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کے اندر دین نہیں۔

عہد صرف اسی صورت میں توڑا جاسکتا ہے جب دوسرا فریق عہد کی خلاف ورزی کرے اور عہد توڑ ڈالے ایسی صورت میں معاہدہ ختم کر دینا درست ہے۔

وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ (سورۃ التوبہ/۱۲)

اور اگر عہد کر چکنے کے بعد یہ اپنے قول وقرار توڑ دیں اور تمہارے دین پر نیش زنی کریں تو تم کفر کے ان سرخیلوں سے لڑو، ان کے کسی قول وقرار کا کوئی وزن نہیں، تاکہ یہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

یہاں یہ واضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ معاہدہ کسی خاص مدت کے لیے ہو یا دائمی ہو، اسی طرح معاہدہ خواہ شخصی ہو یا اجتماعی، ملکی ہو یا بین الاقوامی، فوجی، اقتصادی، معاشی، تجارتی، صلح کا ہو یا امن وامان کے قیام وبقاء کا معاہدہ کے بعد اس کی پابندی بہر صورت لازمی ہیں۔

نزاعات کی صورت میں اخلاقی قدروں کا لحاظ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر ظلم وزیادتی اور فساد اس حد تک بڑھ جائے کہ لوگ بنیادی حقوق سے محروم ہو جائیں یعنی انسانوں کی جان، مال، نسل اور دین کا تحفظ خطرہ میں پڑ جائے اور زندہ رہنے کا حق پامال ہو جائے تو بقائے باہم اور امن وامان کے لیے جنگ انسانی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔ اس کا واحد مقصد ظالم و جابر طاقتوں کو ختم کرنا اور ایک امن پسند معاشرہ کو وجود میں لانا ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيراً. (سورة الحج ۴۰)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، گرجے، کنیسے، مسجدیں اور جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے ڈھائے جاچکے ہوتے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيراً (سورة النساء/۷۵)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس ظالم باشندوں کی بستی سے نکال اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ہمدرد پیدا کر اور ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار کھڑے کر۔

معلوم ہوا کہ فساد فی الارض کے خاتمہ اور امن وسلامتی کے تحفظ کے لیے جنگ نہ صرف جائز ہے بلکہ بسا اوقات فرض ہو جاتی ہے لیکن ان ناگزیر حالات میں بھی لڑی جانے والی جنگ کو بھی قرآن کریم نے شتر بے مہار کی حیثیت سے نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس پر بہت سی بندشیں عائد کر رکھی ہیں تا کہ اس کے مضر اثرات سے عام امن پسند شہری محفوظ رہیں اور اس سے

صرف وہی لوگ متاثر ہوں جو فی الواقع اس کے مستحق ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کو فوج روانہ کرتے وقت امیر لشکر کو درج ذیل ہدایتیں دی تھیں جو اس تناظر میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ عورتیں، بچے، اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔
۲۔ مثلہ نہ کیا جائے۔
۳۔ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار کیے جائیں۔
۴۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔
۵۔ آبادیاں برباد نہ کی جائیں۔
۶۔ جانور کو ہلاک نہ کیا جائے۔
۷۔ بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔
۸۔ جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔
۹۔ اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔
۱۰۔ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

بین الاقوامی تعلقات کی حد بندی

بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں اوپر جو باتیں عرض کی گئی ہیں وہ عام حالات اور عام معاملات سے متعلق ہیں لیکن بعض مخصوص صورتوں میں ان کی مطلق پرواہ نہ کی جائے گی مثال کے طور پر ظلم، زیادتی، معصیت، شرک، بت پرستی، طغیان اور سرکشی اور اس طرح کی جتنی بھی سماجی، معاشی برائیاں ہیں یا جن سے اسلام نے روکا ہے یا جنہیں حرام قرار دیا ہے ان امور میں کسی قسم کا تعاون اور سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان امور و مسائل میں تعلقات قائم نہیں کیے جائیں گے جن کا اثر اسلام کی بنیادی تعلیمات مثلاً عقائد، عبادات، اخلاقیات وغیرہ پر پڑتا ہو یا اس کی وجہ سے اسلامی قوانین وضوابط پامال ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً حلال حرام اور حرام حلال قرار پاتا ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۃ المائدہ/۲) — برائی اور ظلم پر کسی کا ساتھ نہ دو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا أُمِرْتَ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ (سورۃ الشوریٰ/۱۵) — پس تم اسی دین کی دعوت دو اور اس پر جمے رہو، جیسا کہ تم کو حکم ہوا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیو۔

ان اصولوں کی روشنی میں بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو آفاقی تعلیمات دی ہیں وہ کس قدر پاکیزہ، روشن اور انسانی معاشرہ اور زندگی کے لیے مفید اور کارآمد ہیں۔ اگر تعصب اور تنگ نظری سے کام نہ لیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں ان سے بہتر اصولوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم دنیا ان اصولوں پر دل وجان سے کاربند ہو، ان کو اپنی زندگی کا نصب العین اور عملی سرگرمیوں کا حصہ بنائے۔ دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے غیر مسلم دنیا اسلام کے سلسلہ میں تعصب اور تشدد کا رویہ چھوڑ کر ان اصولوں کی روشنی میں اس کے کردار کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس طرح افہام وتفہیم اور سنجیدہ مذاکرات کی فضا قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوجاتی ہے تو عالمی سطح پر ہر طرح کے تنازعات کو ختم کیا جاسکتا ہے، بدامنی کی فضا کو امن وآشتی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور انسانی دنیا کو مشکلات ومصائب سے نجات مل سکتی ہے۔

حواشی ومراجع

(۱) علامہ شبلی، سیرت النبی، ۱/ ۴۴۷، مطبع معارف، اعظم گڑھ، طبع چہارم، بدون تاریخ

(۲) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب باب ما ینہی عن التحاسد والتدابر، رقم ۶۰۶۴/ الجامع الصحیح للمسلم رقم ۲۵۶۳

(۳) ان النبی صلی الله علیه وسلم مرت به جنازة فقام، قیل له:
انها جنازة یهودی فقال "ألیست نفساً؟"
الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجنائز باب من قام لجنازة یهودی، رقم ۱۳۱۲

(۴) احمد بن حنبل، المسند، ۳/ ۱۳۵، حدیث نمبر: ۲۴۱۰، ۱۲۵۹۵ (۳۲۳) (مسند انس بن مالکؓ)
المطبعة المیمنیة مصر، ۱۳۱۳ھ